ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں معلم کے کردار کی پیشکش

ڈاکٹر لیاقت علی*

Abstract:

Dr. Saleem Akhtar's name is included among the main critics and short story writers of Urdu literature. His keen interest in psychology gives him help in characterization of his short stories. This article gives an indepth study of the varied aspects of the character of a "Teacher" as it appears in his short stories.

معلم کا کردار پاکستانی سماج ہی نہیں اردو افسانے کا بھی ایک اہم کردار ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے ہاں اس کردار کا اپنا الگ تشخص بنتا دکھائی دیتا ہے جو اس کی معاشی مجبوریوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر جنسی جبلت کو بھی خصوصی اہمیت دے رہا ہے۔ جنس میں بھی جنسِ مخالف کے بجائے ہم جنس کی طرف لپک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اُردو ادب کے استاد ہی نہیں اہم نفسیاتی نقاد بھی ہیں۔ علاوہ ازیں اُردو افسانے کی روایت میں بھی وہ اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں۔ یوں اُن کے تجربات اور اظہار میں تنوع ہے۔ سماجی زندگی کے مختلف طبقات کے کرداروں کی نفسیاتی اور جنسی پیچیدگیاں اُن کے اہم موضوعات ہیں جن پر لکھتے ہوئے بعض اوقات وہ افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک نفسیاتی معالج بھی محسوس ہوتے ہیں۔ بقول فرخ درّانی:

> ''وہ (سلیم اختر) اپنے کرداروں پر خود مسلّط نہیں ہوتا بلکہ انہیں اپنے فطری ارتقاء اور بے روک اظہار کے مواقع دیتا ہے...... اپنے کرداروں سے سلیم اختر ہمیشہ ایک تنقیدی بے تعلقی، عدم دلچسپی اور فلسفیانہ غیر جانب داری کا تعلق رکھتا ہے۔''(۱)

فرخ درّانی کی اس رائے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انوار احمد کی یہ رائے زیادہ متوازن اور سلیم اختر کے فکری رویوں کی نشان دہی کر رہی ہے:

> ''عورت جنس اور جذبات کا مصنف اور 'نفسیاتی دبستانِ تنقید' کا ایک نمائندہ نقاد افسانے لکھنے لگے تو کم از کم موضوعات کے سلسلے میں اس کی ترجیحات راز نہیں رہتیں۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ برسوں میں لکھے ہوئے اُن کے افسانوں سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو یہی کہا اور سمجھا جائے گا

* شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

کہ انہوں نے جنسی نفسیات سے متعلق ہی افسانے لکھے ہیں۔ اُن کے ابتدائی افسانوں میں نفسیاتی شعور سے زیادہ سنسنی خیزی کا غلبہ دکھائی دیتا ہے، یوں لگتا ہے کہ وہ منٹو کے ایک خاص دور کے افسانوں سے متاثر ہوئے، اس لئے انہوں نے بے باکی کو ایک نمائشی یا حفاظتی رویے کے طور پر اپنایا۔''(۲)

ڈاکٹر انوار احمد کی اِس رائے میں ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوی موضوعات کے انتخاب کے پسِ پردہ عوامل کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر انوار احمد نے اُن کی کہانیوں میں نفسیاتی یا جنسی شعور سے زیادہ جس سنسنی خیزی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کسی حد تک نظر بھی آتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اردو کے اہم نفسیاتی نقاد بھی ہیں اور فرائڈ کے نظریات سے بے حد متاثر بھی سو اُن کے کردار بسا اوقات اپنا ردِ عمل انہی نظریات سے کشید کرتے ہیں۔ بقول عرش صدیقی:

''جس طرح سلیم اختر کی بعض حسیات وقت سے پہلے ہی بیدار ہو گئی تھیں اسی طرح فرائڈ کا مطالعہ بھی انہوں نے وقت سے پہلے کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرائڈ ان کے لیے حرفِ آخر ہو کر رہ گیا۔ لیکن فرائڈ نے جنس کے بارے میں جو کچھ کہا وہ تحقیق، سائنس اور طب کے حوالے سے کہا۔ اس کے ہاں کسی قسم کی جنسی لذت کشی یا لذت آفرینی کا عنصر نہیں تھا۔ جبکہ اکثر افسانہ نگاروں کے ہاں یہ دونوں عنصر آ جاتے ہیں اور سلیم اختر کے ساتھ بھی یہی صورت حال ہے۔''(۳)

اُن کے یہاں معلّم کا کردار اپنے معاشی نظام اور سماجی اقدار کی زیادہ تر انہی جہتوں کی طرف قاری کی توجہ مرکوز کرواتا ہے جو جنسی اور نفسیاتی پیچیدگیوں سے جنم لیتی ہیں۔ اُن کا معلّم جنسی طور پر ناآسودہ ہے جس کے لئے آسان ہدف اُن طلباء کو سمجھتا ہے جو اُس کے رُعب اور دبدبے سے ہراساں ہیں۔ اسی طرف توجہ دلواتے ہوئے عرش صدیقی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

''ماہرین نے ہم جنسی کی کئی وجوہات تلاش کی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بنیادی وجہ جنس مخالف کے حصول میں دشواری ہی ہے۔''(۴)

عرش صاحب کے اسی خیال کی تائید ہمیں ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے جو ان کے اس موضوع پر نمائندہ افسانون کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان افسانوں کے مطالعے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ چاروں افسانے (تختۂ مشق، خبیث داپتر، پابندیِ وقت، بارہواں کھلاڑی) سکول کی فضا اور اساتذہ سے متعلق ہیں۔ شاید اس لیے کہ امرد پرستی کے لیے ارزاں جنس اور سازگار ماحول یہیں دستیاب ہو سکتا تھا۔''(۵)

تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی شخصیت کا چرچا اس قدر رہا ہے کہ بطور افسانہ نگار انہیں وہ توجہ نہ مل سکی جس کی کہ ضرورت تھی۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کے خیال میں:

''ڈاکٹر سلیم اختر کے تنقیدی اور علمی و ادبی کارناموں نے دراصل اتنی نمایاں حیثیت

> حاصل کر لی ہے کہ ان کی تخلیقی شخصیت کا یہ پہلو دب کر رہ گیا ہے ورنہ دورِ جدید کے نمایاں ترین افسانہ نگاروں میں ان کو شامل نہ کرنا، ناانصافی ہے۔''**(۶)**

ان کے افسانے معلم کی جنسی نفسیات کا اہم مطالعہ ہیں جو ہماری سماجی گھٹن کو بھی واضح کر رہے ہیں۔ ''رزقِ حلال'' ان کا ایسا افسانہ ہے جس میں افسانے کا متکلم ہمیں ماسٹر کرم داد سے متعارف کرواتا ہے۔ ماسٹر کرم داد دینیات کے استاد اور ایسے سخت گیر انسان ہیں جو طلباء پر تشدد کرتے ہیں۔ ایک خاص نوع کی مذہبی سخت گیری اور تشدّد اُن کے نمایاں اوصاف بن گئے ہیں۔ خود متکلم کے یہاں بھی مذہب سے بیزاری اِسی کردار کا ردِ عمل ہے۔ لیکن پھر معاشی تنگ دستی ماسٹر صاحب کو ایسے حالات سے دوچار کرتی ہے کہ وہ پہلے فلمی رسائل بیچنے اور بعدازاں شائع کروانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں اُن کی شرط فکرِ معاش سے جڑی اُن کے نئے فکری رویے کا اظہار بھی کر رہی ہے:

> ''ہاں مگر یہ کتابیں تمہاری ادبی کتابیں نہ ہوں گی۔ ادب بے کار ہے۔ تم لکھو وہ کتابیں......اور اب اُن کی آواز سرگوشیوں میں تبدیل ہو چکی تھی جو آنہ لائبریری میں خفیہ طور پر چلتی ہیں۔''**(۷)**

یعنی وہ اب جنسی اور سطحی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی کتب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ماسٹر کرم داد کی بطور استاد سخت گیر طبیعت کا نقشہ متکلم کے اس جملے میں دیکھئے:

> ''یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ اُن کی مار سے کم از کم دو لڑکوں کے پیشاب نکلتے تو میں نے بھی دیکھے ہیں۔''**(۸)**

یہ اُستاد کا وہ روایتی تصور ہے جو بالعموم ہمارے سماج میں ہی نہیں۔ افسانوی ادب میں بھی نظر آتا ہے۔ اِس کردار کی صفات اُس کی اِس لفظی تصویر میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں جو اُس کے تشخص کو نمایاں کر رہی ہیں:

> ''سنا ہے کسی زمانے میں تو وہ جماعت میں بھی حقہ ساتھ رکھتے تھے مگر اب وہ حقہ سکول کی کینٹین میں دھرا رہتا۔ جہاں خالی پیریڈ میں وہ میز پر ٹانگیں پھیلائے حقہ نجانے منہ میں لئے اخبار پڑھتے رہتے۔ پھر خبروں پر تبصرہ کرتے جس میں تبصرہ کم اور گالیاں زیادہ ہوتیں۔ ویسے بھی ان کی گفتگو میں چاشنی گالیوں سے تھی۔ قسم قسم کی بڑی بڑی اور گندی گندی گالیاں۔ لڑکے سے تلاوت سن رہے ہیں جہاں ذرا غلطی ہوئی انہوں نے گرج کر گالی نکالی۔ ہم طالب علموں نے ان سے آیات کے مقابلہ میں گالیاں زیادہ سیکھی ہوں گی۔''**(۹)**

یہ ہے وہ تصویر جو اِس کردار کے متعلق مصنف کے ذہن میں موجود ہے اور شاید اِس کا نتیجہ ہے کہ متکلم یہ کہتا نظر آتا ہے:

> ''اب میں ماسٹر کرم داد کو یہ کیسے بتاتا کہ اُن کی خشونت، اُن کے بھاری ہاتھوں اور اُن کی گالیوں نے مجھے دینیات ہی سے نہیں بلکہ مذہب سے بھی بے زار کر دیا ہے۔''**(۱۰)**

اسی طرح ڈاکٹر سلیم اختر کا افسانہ ''تختۂ مشق'' بھی اِسی کردار کے تصور کو واضح کرتا دکھائی

دیتا ہے۔افسانے میں احمد علی کامران نچلے طبقے کا ایک سکول ماسٹر ہے جو معاشی مجبوریوں سے گھرا ہوا ہے اور اپنی معاشی تنگ دستی مقدور بھر ٹیوشن پڑھا کر دور کرتا رہتا ہے۔اپنے ایک طالب علم کی بہن کو ٹیوشن پڑھاتا ہے جو ایک مولوی کی بیٹی ہے اور اُس کے ماں باپ اُس سے اُستاد کے روپ میں داماد کی آس بھی لگا لیتے ہیں۔لیکن دوسری جانب یہ کردار بچپن میں ماں باپ کے جنسی اختلاط کو دیکھ کر نفسیاتی طور پر یوں متاثر ہوتا ہے کہ ردعمل کے طور پر اپنے شاگردوں کو جنسی آسودگی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔افسانے کے آخر میں امتحان میں فرسٹ کروا دینے کے لالچ میں اپنی خواہش کا بلاواسطہ اظہار بھی کر دیتا ہے۔

> ''کمرہ میں خاموشی تھی۔امتیاز کو ماسٹر جی آج کچھ بدلے بدلے نظر آ رہے تھے۔اُن کے دیکھنے کا انداز بھی کچھ اور ہی طرح کا تھا...... مجھے پانی تو دینا۔وہ پانی انڈیلنے کے لئے جھکا تو کامران کی نظریں جم گئیں......کامران نے کپکپاتے ہاتھوں سے اُس کے کندھے پکڑ لئے اور تھوک نگل کر جب وہ بمشکل بولا تو اُس کی آواز محض کپکپاتی سرگوشی تھی۔اگر......اگر تم میری بات مان لو تو میں امتحان میں تمہیں فرسٹ کرا دوں گا۔''(۱۱)

اِسی طرح اُن کا افسانہ ''خبیث دا پتر'' بھی طلباء کا جنسی استحصال کرنے والے ایسے پی۔ٹی ماسٹر کی کہانی ہے جو پہلے پولیس کے محکمے کا ملازم ہوتا ہے لیکن رشوت لینے کے الزام میں محکمے سے نکال دیا جاتا ہے۔زبان کے معاملے میں منہ پھٹ یہ کردار اب سکول میں بطور پی۔ٹی ماسٹر ملازمت حاصل کرتا ہے اور اپنی فطرت کے برعکس ہیڈ ماسٹر کے سامنے اُسے خاموش رہنا پڑتا ہے کہ بہر حال وہ دوسری بار ملازمت سے نکالے جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ہیڈ ماسٹر کے گھر کے کام کاج بھی کرتا ہے اور سودا سلف بھی لاتا ہے۔ہیڈ ماسٹر کی بیٹی (جسے اپنے تئیں خود پر فریفتہ سمجھتا ہے) جب اُس پر سودا سلف لانے میں بے ایمانی کا الزام لگاتی ہے تو بے بسی سے اندر ہی اندر سیخ پا تو ہوتا ہے مگر ردِعمل ظاہر نہیں کر سکتا۔لیکن افسانے کے آخر میں اپنی بے عزتی اور مجروح انا کا بدلہ ہیڈ ماسٹر کے ساتویں میں پڑھنے والے نحیف بیٹے سے بدفعلی کر کے لیتا ہے۔افسانے میں پولیس کے محکمے میں حاصل طاقت کا احساس اور محکمہ تعلیم میں بے بسی کا تصور بھی دیکھا جا سکتا ہے:

> ''کل تک وہ چوک میں بڑے سے بڑے شریف انسان کو بے عزت کر سکتا تھا مگر آج کسی پھٹیچر تانگہ کے مریل گھوڑے جیسے ہیڈ ماسٹر نے سب کے سامنے اُسے چور بنا دیا، جو خود چوروں کو پکڑنے والے محکمہ سے وابستہ رہا تھا۔اُس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اُس کے گھر کو آگ لگا دیتا، اُس کی کالی لڑکی کو کوٹھے کی چھت سے نیچے دے مارتا، اُس کے بیٹے کا مار مار کر بھرکس نکال دیتا اور ہیڈ ماسٹر کی تو ٹانگیں ہی چیر دیتا۔''(۱۲)

اِس کردار کے اندر کی بے بسی اور جھلاّہٹ بالآخر افسانے کے اُس انجام میں ظاہر ہوتی ہے جب وہ ہیڈ ماسٹر کے لڑکے کو اکیلا پاتا ہے:

''وہ دروازے کی کنڈی لگا کر بولا'' اوئے خبیث دے پتر! جے توں جوں وی کیتی تے
تیری ہڈیاں توڑ دیاں گا۔''(۱۳)

افسانے کے اس انجام کی نفسیاتی ہی نہیں سماجی تعبیر بھی کی جا سکتی ہے۔ سماج میں اس کردار کی کم آمدنی اور نظر انداز کیا جانا بھی اس نوع کے ردِّعمل کو سامنے لے آتا ہے۔

''پابندیٔ وقت کے فوائد'' بھی ڈاکٹر سلیم اختر کا ایسا افسانہ ہے جو سکول معلّم کی شخصیت کے دو پہلوؤں کو سامنے لا رہا ہے۔ ایک تو اُس کے یہاں موجود روایتی تشدد آمیز رویہ جب کہ دوسرا اُس کی جنسی احتیاج جس کے لئے وہ طالب علموں کو منتخب کرتا ہے اور پھر انہیں پڑھائی میں خاطر خواہ معاونت یا اپنے خوف سے اس فعل پر آمادہ کرنا چاہتا ہے۔ ماسٹر عنایت کا یہ کردار سکول میں نئے داخل ہونے والے قدرے خوفزدہ طالب علم اقبال کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے اور پھر اُسے اپنے گھر ٹیوشن پڑھانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اقبال تذبذب کے بعد اگلے روز اُسے عذر پیش کر دیتا ہے کہ والدین نے اجازت نہیں دی جس پر ماسٹر صاحب جھلّا اُٹھتے ہیں کہ میں تو تمہارے ہی فائدے کی بات کر رہا تھا، فیس تو نہیں مانگ رہا تھا۔ پھر اقبال کو ایک روز شام میں اپنے گھر آنے پر راضی کر لیتے ہیں لیکن اسی اثنا میں ایک ہم جماعت اقبال کو ماسٹر صاحب کے روایتی حربے سے خبردار کر دیتا ہے اور وہ ماسٹر صاحب کے گھر نہیں جاتا۔ انتظار کا یہ وقت ماسٹر صاحب کو انتہائی مضطرب رکھتا ہے اور پھر اگلے روز ہی سے اقبال سے اُن کا مشفقانہ تعلق انتہائی درشتی میں بدل جاتا ہے۔ افسانے میں سکول معلّم کا کردار محض ماسٹر عنایت کی شکل میں ہی نہیں سکول کے باقی اساتذہ کی صورت میں بھی روایتی سخت گیر اور تشدد پر آمادہ کردار کی نشان دہی بھی کر رہا ہے۔ سکول کے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے مصنف کا بیان کیا ہوا یہ منظر دیکھیے جو خود اس کردار کے تصور کی عکاسی کر رہا ہے:

''دوسری جماعت کے لڑکے کمرہ میں آ رہے تھے اور ساتھ ہی بغل میں رجسٹر دبائے
ایک ہاتھ میں ڈنڈا لئے اور دوسرے سے لوہے کی کمانی کی گول شیشوں والی عینک کو
ناک کی چونچ پر ٹکائے ماسٹر عبداللہ چلے آ رہے تھے۔ یہ ریاضی کے ماسٹر تھے اور ان کی
زبان اور ڈنڈا دونوں ہی چلتے تھے۔''(۱۴)

ماسٹر کے ساتھ ڈنڈا بھی ایک لازمی جزو کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور مصنف شاید اس کے بغیر اس کردار کی شبیہہ ادھوری خیال کرتا ہے۔ افسانے میں ماسٹر عنایت اللہ کی جنسی احتیاج پوری کرنے کی خواہش جس انداز میں اقبال کے لمس سے بیدار ہوتی ہے اُس کا منظر بھی دیکھیے:

''ابھی ابھی اقبال کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا یوں اقبال کو چھو کر دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس
وقت اُن کا دل چاہا تھا کہ اُس کے کندھے کے نرم نرم گوشت کو دبائیں، بھلا دیکھیں تو یہ نرم نرم
گوشت گیند کی طرح کہاں تک دب سکتا ہے۔ جسم میں کپکپی کی ایک لہر دوڑ گئی۔''(۱۵)

اور پھر افسانے میں ماسٹر عنایت کی ہیبت اور خوف کے ساتھ تشدد کا وہ منظر بھی دیکھیے جب وہ اقبال کے

ایک اور قبول صورت ہم نام پر محض اس لئے اپنا غصّہ اُتارتا ہے کہ اس کا نام بھی اقبال کیوں ہے:

> ''اس منحوس کی کیسی کرخت آواز ہے۔ ماسٹر عنایت نے بے زاری سے سوچا۔'' ماضی استمراری کی گردان سناؤ۔''،''جی''۔''میں نے جو بکواس کی ہے تیرے پلے پڑی یا نہیں؟''...... ماسٹر جی اب اس کے پاس کھڑے تھے اگر اقبال کو گردان آتی بھی تھی، سر پر کھڑے ماسٹر جی کی ہیبت سے بھول گیا۔ ماسٹر عنایت نے ایک ہاتھ بڑھا کر اُس کی گردن پکڑلی۔''(۱۶)

ماسٹر عنایت کا کردار کسی معاشی تنگ دستی کا شکار بھی نہیں ہے اور اُسے ملازمت بھی وقت پر مل گئی ہے لیکن اُس کی زندگی کی جس اُلجھن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے وہ جنسی نا آسودگی ہے اور اس کے لئے وہ آسان ہدف طلباء کو ہی سمجھتا ہے:

> ''بس ایک اُلجھن تھی جس میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بعض اوقات کوئی لڑکا اعصاب پر سوار ہو جاتا تو پھر پیر تسمہ پا کی طرح اُس کے تصور کو جھٹکنا ناممکن ہو جاتا۔ ہر سال کسی نہ کسی جماعت میں ایک آدھ ایسا نکل آتا جسے وہ ہر قیمت پر گھر مفت ٹیوشن پڑھاتا۔''(۱۷)

قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ ماسٹر عنایت کے لئے جنس کی یہ کشش کسی عورت کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف ہم جنسوں کے لئے ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بھی بے زار ہے اور اُسے اُس سے کوئی سروکار نہیں لیکن اقبال اس کے حواس پر ایسا سوار ہے کہ وہ اُسے ہر قیمت پر اپنے گھر ٹیوشن پڑھانے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کو یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ وہ کلاس سے پیچھے نہ رہ جائے۔ ایسے میں اقبال کا یہ جواب سن کر کہ میں محنت کرلوں گا اُسے کچھ اس انداز میں متنبہ بھی کرتا ہے:

> ''وہ تو ٹھیک ہے لیکن صرف محنت سے کام نہیں چلتا۔''(۱۸)

ماسٹر عنایت کے کردار میں طالب علموں کے حوالے سے جنسی کشش کی یہ تصویر بھی دیکھیں جو اِس کردار کے تصور کو مزید واضح کر رہی ہے:

> ''اس نے اقبال کو غور سے دیکھا۔ اس کے گلابی ہونٹ بھرے بھرے تھے۔ نچلا ہونٹ بھرا بھرا ہونے کی وجہ سے اور نیچے لٹکا تھا، اوپر کا باریک ہونٹ ایک خاص طرح کی سنجیدگی لئے ہوئے تھا...... ماسٹر عنایت نظروں نظروں سے اُسے گھول کر پئے جا رہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اُس نے ترپ کا پتہ یوں پھینکا۔ تم مجھے ذہین معلوم ہوتے ہو۔ اگر چاہو تو گھر آ کر پڑھ لیا کرو۔ میں اچھے سٹوڈنٹ کی ہر طرح سے امداد کیا کرتا ہوں۔''(۱۹)

تاہم اِس افسانے میں آخر تک ماسٹر عنایت اپنی یہ احتیاج پوری نہیں کر پاتا۔

''بارھواں کھلاڑی'' اُن کا ایسا افسانہ جس میں ماسٹر ہمدم کا کردار بھی ایسا ہی کردار ہے جو طالب علموں سے اپنے جنسی روابط کی شہرت رکھتا ہے۔ وہ ہاکی ٹیم کا انچارج بھی ہے اور ٹیم جب ٹورنامنٹ کھیلنے دوسرے شہر جاتی

ہے تو ایک نسوانی وضع کے خوب صورت لڑکے احسان کو بھی ٹیم کا حصہ بناتا ہے جب کہ احسان ہاکی کی اس ٹیم کا حصہ بننے کا اہل نہیں ہے۔ ماسٹر صاحب ٹورنامنٹ کے دوراا احسان کو اپنے کمرے میں اپنے ساتھ سلاتے ہیں اور پھر اُسے ٹیم میں جگہ دینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی غلطیوں کی بدولت ٹیم ہار جاتی ہے۔ واپسی سے ایک رات قبل ماسٹر صاحب کو اُن کا کوئی عزیز مل جاتا ہے جو انہیں اپنے ساتھ قیام کے لئے لے جاتا ہے اور یہ رات ماسٹر صاحب کے بعد دوسرے مقتدر کردار کپتان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ شکست کا غم احسان کے ساتھ رات بسر کر کے غلط کرے:

> ''آج کیونکہ ماسٹر صاحب نہ تھے اس لئے کپتان نے اُن کے کمرے میں اپنا بستر جما لیا۔
> تمہیں کدھر سونا ہے؟ اس نے احسان سے پوچھا۔ اس کمرے میں۔ وہاں سب کے ساتھ
> کیوں نہیں؟ مجھے ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی اسی کمرے میں سویا تھا لیکن ایک نئی بات یہ ہوئی کہ
> ماسٹر صاحب کی مانند کپتان کو کنڈی بند کرنی نہ یاد رہی۔'' **(۲۰)**

افسانے میں معلّم کے کردار کا وہی پہلو اُبھر کر سامنے آیا ہے جو سلیم اختر کے یہاں اس کردار کے مجموعی تصور کی توسیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

''آگ تاپنے کے فوائد'' اُن کا ایک اور افسانہ جس کا مرکزی کردار ماسٹر بشیر احمد بی۔اے۔ بی ٹی ہے جو سلیم اختر کے یہاں سکول ماسٹر کے مجموعی تصور کے برعکس شریف اور وضع دار شخص ہے۔ محنتی بھی ہے اور شادی کے بعد ہمارے سماج میں مرد کے روایتی تصور کے برعکس بیوی سے محبت کرنے والا اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے والا کردار ہے۔ لیکن معاشرے کی مروّج اخلاقیات اور توقعات اُسے اِس اچھائی پر رَن مریدی کا خطاب بھی عطا کرتی ہیں۔ آہستہ آہستہ اس کی زندگی سے بیوی کے حوالے سے وہ جنسی کشش بھی جاتی رہتی ہے جو آغاز میں تھی اور خود کو بھی وہ ایک مضمحل اور جنسی طور پر تھکا ہوا کردار تصور کرنے لگتا ہے۔ ایسے میں سکول کے لئے کھیلوں کا سامان لینے لاہور جاتا ہے تو رشوت کے طور پر اُسے ڈیلر سو روپیہ دیتا ہے۔ اسی اثناء میں اسے ایک پرانا جاننے والا ملتا ہے جو اب وہاں انشورنس ایجنٹ کا کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اسے ترغیب دیتا ہے کہ لاہور میں نت نئی لڑکیاں اور عورتیں مل سکتی ہیں۔ ایک سو روپیہ نکالو اور حرام کی اس کمائی کو حرام کے کام پر خرچ کرو۔ اسے پہلی بار دوسری عورتوں اور بالخصوص شادی شدہ عورت کے ایسے کردار کی خبر جذباتی طور پر خوفزدہ بھی کرتی ہے اور متحرک بھی۔ دوست اسے ایک گھر میں لے جاتا ہے جہاں واقعی ایک شادی شدہ مگر جاذب نظر خاتون اس کے حوالے کرتا خود چلا جاتا ہے۔ ماسٹر بشیر ایسے میں خوفزدہ بھی ہوتا ہے اور یہ تجسّس بھی اسے گھیرتا ہے کہ یہ خاتون ایسا کیوں کرتی ہے اور کیا اس کا شوہر بھی اس بات سے واقف ہے۔ ایسے میں یہ بات اُس کے لئے حیران کن انکشاف بن کر سامنے آتی ہے کہ نہ صرف اس کا شوہر اُسے خود اس کام میں اس کا معاون ہوتا ہے بلکہ وہ ماسٹر بشیر کا دوست ہوتا ہے جو خود اُسے لے کر آتا ہے۔ ماسٹر بشیر کے اندر یہ عمل نفسیاتی طور پر ایک ایسا احساسِ برتری پیدا کرتا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کے رشتے میں پیدا ہوتی سرد مہری پھر سے جذباتی لگاؤ میں بدل جاتی ہے۔

افسانے کا موضوع اگرچہ تعلیمی نظام یا سکول کے معلّم کے کسی تصور کو بیان نہیں کرتا لیکن افسانے میں اس کردار کے حوالے سے بہر حال ایک خوفزدہ، بزدل اور خدمت گزار شخص کا تصور بھی اُبھر رہا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ماسٹر کے ساتھ وابستہ بعض سماجی آسائشوں یا حقوق کے متعلق بھی مصنف کا نقطۂ نظر سامنے آ رہا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس دیکھیے جب ماسٹر صاحب کی بیوی کی قبول صورتی کو محض اس لئے قابلِ قبول بنایا جا رہا ہے کہ وہ ماسٹر کی بیوی ہے، کسی اور بڑے افسر کی نہیں:

''خوب صورت اسے نہ کہا جا سکتا تھا لیکن ایک ماسٹر کی بیوی کے لحاظ سے وہ بہت اچھی تھی۔''(۲۱)

اسی طرح جب اُس کا دوست اسے عیاشی کی ترغیب دے رہا ہوتا ہے اور ماسٹر صاحب ایسے خدشات کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں جو انہیں ذلت سے دوچار کر سکتے ہیں تو جواباً دوست کہتا ہے:

''یار تم ہر وقت بی۔ ٹی ہونے کا ثبوت نہ دیا کرو۔''(۲۲)

یہ بی۔ ٹی کے ساتھ خوفزدہ شخص کا وابستہ وہ تصور ہے جو سماج میں اس کردار کی معاشی بدحالی اور بے وقعتی سے جنم لے رہا ہے۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر سلیم اختر کے ہاں معلم کے اس کردار کی جنسی ناآسودگی ایک اہم موضوع کے طور پر سامنے آ رہی ہے جو کسی حد تک معاشی تنگدستی یا سماجی بے توقیری کا نتیجہ قرار دی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فرخ درانی، ''جدید افسانے میں نئی آواز، سلیم اختر''، مشمولہ ''نئی قدریں'' حیدر آباد، ص۱۲۳

۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''اُردو افسانہ ایک صدی کا قصّہ''، ص۱۷۳

۳۔ عرش صدیقی، ''سلیم اختر کی افسانہ نگاری''، مشمولہ ''ڈاکٹر سلیم اختر، شخصیت و تخلیقی شخصیت''، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، گورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۳۰۶

۴۔ ایضاً، ص۲۸۷

۵۔ شمیم حیدر ترمذی، ڈاکٹر، ''مٹھی بھر سانپ کے موضوعات''، مشمولہ ''ڈاکٹر سلیم اختر، شخصیت و تخلیقی شخصیت''، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، گورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳۳۸، ۳۳۹

۶۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، ''ڈاکٹر سلیم اختر کے کڑوے بادام''، مشمولہ ''ڈاکٹر سلیم اختر، شخصیت و تخلیقی شخصیت''، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، گورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۴۳۴

۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''کڑوے بادام''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص۸۳

۸۔ ایضاً، ص۷۶ ۹۔ ایضاً، ص۷۶ ۱۰۔ ایضاً، ص۷۷

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''نرگس اور کیکٹس'' (مجموعہ افسانے/ ناولٹ) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء، ص۶۹۵

۱۲۔ ایضاً، ص۷۰۳، ۷۰۴ ۱۳۔ ایضاً، ص۷۰۴ ۱۴۔ ایضاً، ص۷۰۷

۱۵۔ ایضاً، ص۷۰۷ ۱۶۔ ایضاً، ص۷۰۸، ۷۰۹ ۱۷۔ ایضاً، ص۷۱۱

۱۸۔ ایضاً، ص۷۱۲ ۱۹۔ ایضاً، ص۷۱۲ ۲۰۔ ایضاً، ص۷۲۲

۲۱۔ ایضاً، ص۷۲۳، ۷۲۴ ۲۲۔ ایضاً، ص۷۲۹